

# تَفْهِيْمُ الْقُرْآنِ

(۳۸)

ہود

(از رکوع ۶ تا ختم سورہ)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمہارے لیے کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے۔ لہذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔“

۱۵ سورہ اہزات رکوع ۱۰ کے حواشی پیش نظر ہیں۔

۱۶ یہ دلیل ہے اس دعوے کی جو پہلے فقرے میں کیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ مشرکین خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان کا خالق اللہ ہی ہے۔ اسی مسلمہ حقیقت پر بنائے استدلال قائم کر کے حضرت صالحؑ ان کو سمجھاتے ہیں کہ جب وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کے بے جان مادوں کی ترکیب سے تم کو یہ انسانی وجود بخشا، اؤ وہ بھی اللہ ہی ہے جس نے زمین میں تم کو آباد کیا، تو پھر اللہ کے سوا اور کس کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اس کی بندگی و پرستش کرو۔

۱۷ یعنی اب تک جو تم دوسروں کی بندگی و پرستش کرتے رہے ہو اس جرم کی اپنے رب سے معافی مانگو۔

۱۸ یہ مشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی کا رد ہے جو بالعموم ان سب میں پائی جاتی ہے اور ان اہم اسباب میں سے ایک ہے جنہوں نے ہر زمانہ میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں جو رعیت سے دور اپنے محلوں میں داد و پیش ویا کرتے ہیں جن کے دربار تک عام رعایا میں سے (باقی صفحہ ۱۹ پر)

انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو مقربین بارگاہ میں سے کسی کا واسن تھا مٹا پڑتا ہے اور پھر اگر خوش قسمتی سے کسی کی درخواست ان کے آستانہ بلند پر پہنچ بھی جاتی ہے تو ان کا پندار خدائی یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس کو جواب دیں، بلکہ جواب دینے کا کام مقربین ہی میں سے کھلے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس غلط گمان کی وجہ سے یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں اور ہوشیار لوگوں نے ان کو ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوند عالم کا آستانہ قدس عام انسانوں کی دست رس سے بہت ہی دور ہے، اس کے مبارک بھلا کسی عامی کی پہنچ کیسے ہو سکتی ہے، وہاں تک دعاؤں کا پہنچنا اور پھر ان کا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور ان مذہبی منصب داروں کی خدمات نہ حاصل کی جائیں جو اوپر تک نذریں، نیازیں اور عرضیاں پہنچانے کے ڈھب جانتے ہیں۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے بندے اور خدا کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشوں کا ایک حجم غیر کھرا کر دیا اور اس کے ساتھ ہمت گری (Priesthood) کا وہ نظام پیدا کیا جس کے توسط کے بغیر جاہلی مذاہب کے پیرو پیدائش سے لے کر موت تک اپنی کوئی مذہبی رسم بھی انجام نہیں دے سکتے۔

حضرت صالح علیہ السلام جاہلیت کے اس پورے طہم کو صرف دو لفظوں سے توڑ پھینکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ قریب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مجیب ہے۔ یعنی تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تم براہ راست اس کو پکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اگرچہ بہت بالا و پریم ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ایک ایک شخص اپنے پاس ہی اس کو پا سکتا ہے، اس سے سرگوشی کر سکتا ہے، خلوت اور جلوت دونوں میں علانیہ بھی اور بصیغہء راء بھی اپنی عرضیاں اس کے حضور میں پیش کر سکتا ہے۔ اور وہ براہ راست اپنے ہر بندے کی دعاؤں کا جواب خود دیتا ہے۔ پس جب سلطان کائنات کا دربار عام ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا ہے اور ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو یہ تم کس حاکمیت میں پڑے ہو کہ اس کے لیے واسطے اور وسیلے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔

وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقہ کی طرف ہمیں بلارہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں نجان میں ڈال رکھا ہے۔

۱۷ یعنی تمہاری ہوشمندی، ذکاوت، فراست، بنجیدگی و متانت اور پروقتار شخصیت کو دیکھ کر ہم یہ امیدیں لگا بیٹھے تھے کہ بڑے آدمی بنو گے، اپنی دنیا بھی خوب بناؤ گے اور ہمیں بھی دوسری قوموں اور قبیلوں کے مقابلے میں تمہارے ذہن سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، مگر تم نے یہ توحید اور آخرت کا نیاراگ چھیز کر تو ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یاد رہے کہ ایسے ہی کچھ خیالات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آپ کے ہم قوموں میں پائے جاتے تھے۔ وہ بھی نبوت سے پہلے آپ کی بہترین قابلیتوں کے مترف تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص ایک بہت بڑا تاجر بنے گا اور اس کی بیدار مغزی سے ہم کو بھی بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔ مگر جب ان کی توقعات کے خلاف آپ نے توحید و آخرت اور مکارم اخلاق کی دعوت دینی شروع کی تو وہ آپ کے صرف مایوس بلکہ بیزار ہو گئے اور کہنے لگے کہ اچھا خاصہ کام کا آدمی تھا، خدا جانے اسے کیا جنون لاحق ہو گیا کہ اپنی زندگی بھی برباد کی اور ہماری امیدوں کو بھی خاک میں ملا دیا۔

۱۸ یہ گویا دلیل ہے اس امر کی کہ یہ معبود کیوں عبادت کے مستحق ہیں اور ان کی پوجا کس لیے ہوتی رہنی چاہیے یہاں جاہلیت اور اسلام کے طرز استدلال کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت صالح نے کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، اور اس پر دلیل یہ دی تھی کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور زمین میں آباد کیا ہے۔ اس کے جواب میں ان کی مشرک قوم کہتی ہے کہ ہمارے یہ معبود بھی مستحق عبادت ہیں اور ان کی عبادت ترک نہیں کی جاسکتی کیونکہ باپ دادا کے وقوتوں سے ان کی عبادت ہوتی چلی آرہی ہے۔ یعنی کبھی پرکھی صرف اس لیے ماری جاتی رہنی چاہیے کہ ابتدا میں کسی بیوقوف نے اس جگہ کبھی مار دی تھی، اور اب اس مقام پر کبھی مارتے رہنے کے لیے اس کے سوا کسی معقول وجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہاں وقوتوں سے کبھی ماری جا رہی ہے۔

۱۹ یہ شبہ اور یہ غمان کس امر میں تھا، اس کی کوئی تصریح یہاں نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غمان میں تو سب پڑ گئے تھے، مگر ہر ایک کا غمان الگ نوعیت کا تھا۔ یہ دعوت حق کی خصوصیات میں سے ہے کہ جب تک (باقی صفحہ ۱۸ پر)

صالح نے کہا اے یہاں ان قوم! تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا اور پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھ کو نوازا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو۔ اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تھا جسے بے ایک نشانی ہے، اسے خدا کی زمین میں چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو، اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پر خدا کا عذاب آجائے گا۔

مگر انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالح نے ان کو خبردار کر دیا کہ بس اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہیں، یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی نہ ثابت ہوگی۔

آخر کار جب ہمارے فیصلہ کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا۔ بے شک رب ہی دراصل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) تو لوگوں کا اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے اور ایک عام بے کلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے احساسات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر اس بے کلی میں سے سب کو کچھ نہ کچھ ضرور مل کر رہتا ہے۔ اس سے پہلے جس اطمینان کے ساتھ لوگ اپنی ضالہاتوں میں نہمک رہتے تھے اور کبھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور وہ اطمینان اس دعوت کے اٹھنے کے بعد باقی نہیں رہتا اور نہیں رہ سکتا۔ نظام جاہلیت کی کمزوریوں پر داعی حق کی بے رحم تنقید اثبات حق کے لیے اس کے پر زور اور دل لگتے دلائل، پھر اس کے بلند اخلاق، اس کا عزم، اس کا علم، اس کی شرافت نفس، اس کا ہمتا کھرا اور راستہ رازداری اور اس کی وہ زبردست حکیمانہ شان جن کا سکہ بڑے سے بڑے ہٹ دھرم مخالف کے دل بھی بیٹھ جاتا ہے، پھر وقت کی سوسائٹی میں سے بہترین عناصر کا اس سے متاثر ہوتے چلے جانا اور ان کی زندگیوں میں دعوت حق کی تاثیر غیر معمولی انقلاب رونما ہونا، یہ ساری چیزیں مل جل کر ان سب لوگوں کے دلوں کو بے چین کر ڈالتی ہیں جو حق آجانے کے لیے بھی پرانی جاہلیت کا بول بالا رکھنا چاہتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۸۱) یعنی اگر میں اپنی بصیرت خلاف اور اس علم کے خلاف جو اللہ نے مجھے دیا ہے، مجھ تم کو خوش کرنے کے لیے گمراہی کا طریق اختیار کروں تو یہی نہیں کہ خدا کی پکڑ سے تم مجھے بچا دے گے، بلکہ تمھاری وجہ سے میرا جرم اور زیادہ بڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھے اس بات کی مزید سزا دے گا کہ میں نے تم کو سیدھا راستہ بتانے کے بجائے تمھیں جان بوجھ کر اٹا اور گمراہ کیا۔

طاقتور اور بالادست ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھریا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔  
سنو! سنو! اپنے رب سے کفر کیا۔ سنو! دور پھینک دیے گئے ثود!

۴۶

اور دیکھو! ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لیے ہوئے پہنچے۔ کہا تم پر سلام ہو۔ ابراہیم نے جواب دیا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھٹا ہوا بچہ (ان کی عنیافت کے لیے) لے آیا۔ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گیا اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم کی

۱۷۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضرت ابراہیم کے ہاں انسانی صورت میں پہنچے تھے اور ابتداء انہوں نے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ کوئی اجنبی مہمان ہیں اور ان کے آتے ہی فوراً ان کی عنیافت کا انتظام فرمایا۔

۱۸۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ خوف اس بنا پر تھا کہ جب ان اجنبی نوواردوں نے کھانے میں تامل کیا تو حضرت ابراہیم کو ان کی نیت پر شبہ ہونے لگا اور آپ اس خیال سے اندیشہ ناک ہوئے کہ کہیں یہ کسی دشمنی کے ارادے سے تو نہیں آئے ہیں کیونکہ عرب میں جب کوئی شخص کسی کی عنیافت قبول کرنے سے انکار کرتا تو اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا ہے بلکہ قتل و غارت کی نیت سے آیا ہے۔ لیکن بعد کی آیت اس تفسیر کی تائید نہیں کرتی۔

۱۹۔ اس اندازِ ظلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہمانوں کے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے سے ہی حضرت ابراہیم تارگئے تھے کہ یہ فرشتے ہیں، اور چونکہ فرشتوں کا علانیہ انسانی شکل میں آنا غیر معمولی حالات ہی میں ہوا کرتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم کو خوف جس بات پر ہوا وہ دراصل یہ تھی کہ کہیں آپ کے گھر والوں سے یا آپ کی بستی کے لوگوں سے یا خود آپ کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا ہے جس پر گرفت کے لیے فرشتے اس صورت میں بھیجے گئے ہیں۔ اگر بات وہ ہوتی جو بعض مفسرین نے سمجھی ہے تو فرشتے یوں کہتے کہ ”ڈرو نہیں ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں“ لیکن جب انہوں نے آپ کا خوف دور کرنے کے لیے یہ کہا کہ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا فرشتہ ہونا تو حضرت ابراہیم جان گئے تھے۔ البتہ پریشانی اس بات کی تھی کہ یہ حضرات اس فتنے اور آزمائش کی شکل میں جو تشریف لائے ہیں تو آخر وہ بد نصیب کون ہے جس کی شامت آنے والی ہے۔

بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی، وہ یہ سن کر منہ دی۔ پھر ہم نے اُس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ وہ بولی تائے میری کم نعتی! کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا پھونس ہو گئی اور یہ میرے سیاں بھی بوڑھے ہو چکے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ ابراہیم کے گھر والو! تم لوگوں پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور (اولاد کی بشارت) اس کا دل خوش ہو گیا تو اس نے قوم

لے اس سے سلوم ہوا کہ فرشتوں کے انسانی شکل میں آنے کی خبر سننے ہی سا، گھر پریشان ہو گیا تھا اور حضرت ابراہیم کی اہلیہ بھی گھبرائی ہوئی باہر نکل آئی تھیں۔ پھر جب انھوں نے یہ سنا کہ ان کے گھر پر یا ان کی بستی پر کوئی آفت آنے والی نہیں ہے تب کہیں ان کی جان میں جان آئی اور وہ خوش ہو گئیں۔

۴ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے بجائے حضرت سارہ کو یہ خوشخبری اس لیے سنائی کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم کے ہاں تو ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے، مگر حضرت سارہ اس وقت تک بے اولاد تھیں اور اس بنا پر دل انہی کا زیادہ غمگین تھا۔ ان کے اس غم کو دور کرنے کے لیے فرشتوں نے انھیں صرف یہی خوشخبری نہیں سنائی کہ تمہارے ہاں اسحاق جیسا طویل القدر بیٹا پیدا ہوگا بلکہ یہ بھی بتایا کہ اس بیٹے کے بعد پوتا بھی یعقوب جیسا عالی شان پندیر ہوگا۔

۵ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت سارہ فی الواقع اس پر خوش ہونے کے بجائے الٹی اس کو کم نعتی سمجھتی تھیں، بلکہ وہ اصل یہ اُس قسم کے انصاف میں سے ہے جو عورتیں بالعموم تعجب کے مواقع پر بولا کرتی ہیں اور جن سے منوی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ محض اظہار تعجب مقصود ہوتا ہے۔

۶ تورات سے سلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ... برس اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ برس کی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مادۃً اس عمر میں انسان کے ہاں اولاد نہیں ہوا کرتی، لیکن اللہ کی قدرت ایسا ہونا کچھ بھی نہیں سے، اور جب کہ یہ خوشخبری تم کو اللہ کی طرف سے دی جا رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ تم جیسی ایک مومنہ اس پر تعجب کرے۔

لوط کے معاملہ میں ہم سے جھگڑا شروع کیا۔ حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔ (آخر کار ہمارے فرشتوں نے اس سے کہا) اے ابراہیم، اس سے باز آ جاؤ، تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر وہ عذاب آ کر رہے گا جو کسی کے پھرے نہیں پھر سکتا۔

۱۴۔ جھگڑے کا لفظ اس موقع پر اس انتہائی محبت اور ناز کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم اپنے قادی کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لفظ سے یہ تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان بڑی دیر تک رد و کد جاری رہتی ہے۔ بندہ اصرار کر رہا ہے کہ کسی طرح قوم لوط پر سے عذاب ہٹا لیا جائے، خدا جواب میں کہہ رہا ہے کہ یہ قوم اب خیر سے بالکل غافل ہو چکی ہے اور اس کے جرائم اس حد سے گزر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی رعایت کی جاسکے، مگر بندہ ہے کہ پھر ہی کہے جاتا ہے کہ پروردگار! اگر کچھ تھوڑی سی بھلائی بھی اس میں باقی ہو تو اسے اور ذرا مہلت دیدے، شاید کہ وہ بھلائی پھل لے آئے۔ تو بات میں اس جھگڑے کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے، لیکن قرآن کا محفل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی وسعت رکھتا ہے۔

۱۵۔ اس سلسلہ بیان میں حضرت ابراہیم کا یہ واقعہ خصوصاً قوم لوط کے قصے کی تمثیل کے طور پر بظاہر کچھ بے جوڑ سا محسوس ہوتا ہے، مگر حقیقت میں یہ اس مقصد کے لحاظ سے نہایت بر محل ہے جس کے لیے پچھلی تاریخ کے یہ واقعات یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔ اس کی مناسبت سمجھنے کے لیے حسب ذیل دو باتوں کو پیش نظر رکھیے:

(۱) مخاطب قریش کے لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ ہی سے تمام عرب کے پرزادے، کعبہ اللہ کے مجاور اور مذہبی و اخلاقی اور سیاسی و تمدنی پیشوائی کے مالک بنے ہوئے ہیں، اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ ہم پر خدا کا غضب کیسے نازل ہو سکتا ہے جبکہ ہم خدا کے اُس پیارے بندے کی اولاد ہیں اور وہ خدا کے دربار میں ہماری سفارش کرنے کو موجود ہے۔ اس پسندار غلط کو توڑنے کے لیے پہلے تو انہیں یہ منظر دکھایا گیا کہ حضرت نوح جیسا عظیم الشان پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشے کو ڈوبتے دیکھ رہا ہے اور تڑپ کر خدا سے دعا کرتا ہے کہ اس کے بیٹے کو بچا لیا جائے مگر صرف یہی نہیں کہ اس کی سفارش بیٹے کے کچھ کام نہیں آتی، بلکہ اس سفارش پر باپ کو اٹنی ڈانٹ سننی پڑتی ہے۔ اس کے بعد اب یہ دوسرا منظر خود حضرت ابراہیم کا دکھایا جاتا ہے کہ ایک طرف تو ان پر بے پایاں عنایات ہیں اور نہایت پیار کے انداز میں ان کا ذکر ہو رہا ہے، مگر دوسری طرف جب وہی ابراہیم خلیل انصاف کے معاملہ میں دخل دے گا تو اس پر

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ (ان مہمانوں کا آنا تھا کہ) اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کے گھر کی طرف دوڑ پڑے، پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خوگر تھے۔ لوط نے ان سے کہا "بھائیو! (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) دیتے ہیں تو ان کے اصرار و ملحاح کے باوجود اللہ تعالیٰ مجرم قوم کے معاملے میں ان کی سفارش کو رد کر دیتا ہے (۱۲) اس تقریر میں یہ بات بھی قریش کے ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ قانون مکافات جس سے یہ لوگ بالکل بے خوف اور مطمئن بیٹھے ہوئے تھے، کس طرح تاریخ کے دوران میں تسلسل اور باقاعدگی کے ساتھ ظہور ہوتا رہا ہے اور خود ان کے گرد و پیش اس کے کیسے کھلے کھلے آثار موجود ہیں۔ ایک طرف حضرت ابراہیم ہیں جو حق و صداقت کی خاطر گھر سے بے گھر ہو کر ایک اجنبی ملک میں مقیم ہیں اور بظاہر کوئی طاقت ان کے پاس نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسن عمل کا یہ پھل ان کو دیتا ہے کہ باغج بیوی کے پیٹ سے بوڑھا پے میں اسحاق علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان کے ہاں یعقوب علیہ السلام کی پیدائش ہوتی ہے اور ان سے بنی اسرائیل کی وہ عظیم الشان نسل ملتی ہے جس کی عظمت کے ڈنکے صدیوں تک اسی فلسطین و شام میں بجتے رہے جہاں حضرت ابراہیم ایک بے خانہ مہاجر کی حیثیت سے اگر آباد ہوئے تھے۔ دوسری طرف قوم لوط ہے جو اسی سرزمین کے ایک حصہ میں اپنی خوشحالی پر گمن اور اپنی بدکاریوں میں مست ہے۔ دور دور تک کہیں بھی اس کو اپنی شامت اعمال کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ ہیں اور لوط علیہ السلام کی نصیحتوں کو وہ چٹکیوں میں اڑا رہی ہے، مگر جس تاریخ کو ابراہیم کی نسل سے ایک بڑی اقبال مند قوم کے اٹھائے جانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، ٹھیک وہی تاریخ ہے جب اس بدکار قوم کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کا فرمان نافذ ہوتا ہے اور وہ ایسے عبرتناک طریقہ سے فنا کی جاتی ہے کہ آج کہیں ڈھونڈنے سے بھی اس کی بتیوں کا نشان نہیں ملتا۔

(حواشی صفحہ ۲۱) ۱۰ سورہ اعراف رکوع ۱۰ پیش نظر ہے۔

۱۱ اس قصے کی جو تفصیلات قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ان کے فوائد کلام سے یہ بات صاف ترشح ہوتی ہے کہ یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں پہنچے تھے اور حضرت لوط اس بات سے خبر تھے کہ یہ فرشتے ہیں یہی سبب تھا کہ ان مہمانوں کی آمد سے آپ کو سخت پریشانی و دل تنگی لاحق ہوئی۔ اپنی قوم کو جاننے تھے کہ وہ کسی بدکردار اور کتنی بے حیا ہو چکی ہے۔

۱۵ میری بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلائی نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا "مجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔" لوط نے کہا "کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں یہ ہا کر دیتا، یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا۔ تب فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے لوط! ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس تو کچھ رات رات

۱۶ ہو سکتا ہے کہ حضرت لوط کا اشارہ قوم کی لڑکیوں کی طرف ہو، کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے اور قوم کی لڑکیاں اس کی نگاہ میں اپنی بیٹیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ آپ کا اشارہ خود اپنی صاحبزادیوں کی طرف ہو۔ بہر حال دونوں صورتوں میں یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت لوط نے ان سے زنا کرنے کے لیے کہا ہوگا۔ "یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں" کا فقرہ اب غلط مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ حضرت لوط کا منشا صاف طور پر یہ تھا کہ اپنی شہوت نفس کو اُس فطری اور جائز طریقے سے پورا کر دو جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لیے عورتوں کی کمی نہیں ہے۔

۱۷ یہ فقرہ ان لوگوں کے نفس کی پوری تصویر کھینچ دیتا ہے کہ وہ خباثت میں کس قدر ڈوب گئے تھے۔ بات صرف اس حد تک ہی نہیں رہی تھی کہ وہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹ کر ایک گندی خلافت فطرت راہ پر چل پڑے تھے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کی ساری رغبت اور تمام دلچسپی اب اسی گندی راہ ہی میں تھی، ان کے نفس میں اب طلب اس گندی ہی کی رہ گئی تھی اور وہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ کے متعلق یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرتے تھے کہ یہ راستہ تو ہمارے لیے بنا ہی نہیں ہے۔ یہ اخلاق کے زوال اور نفس کے بگاڑ کا انتہائی مرتبہ ہے جس سے فرد تو کسی مرتبہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اُس شخص کا معاملہ تو بہت ہلکا ہے جو محض نفس کی کمزوری کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو جاتا ہو مگر حلال کو چاہنے کے قابل اور حرام کو بچنے کے قابل چیز سمجھتا ہو۔ ایسا شخص کبھی سدہر بھی سکتا ہے، اور نہ سدہر تب بھی زیادہ سے زیادہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بگڑا ہوا انسان ہے۔ مگر جب کسی شخص کی ساری رغبت صرف حرام ہی میں ہو اور وہ سمجھے کہ حلال اس کے لیے ہے ہی نہیں تو اس کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دراصل ایک گنداکیرا ہے جو غلاظت ہی میں پرورش پاتا ہے اور طبیات سے اس کے مزاج کو کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ ایسے کیرے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا۔ اور دیکھو، تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے، مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی کچھ گزرنے والا ہے جو ان لوگوں پر گزرا ہے۔ ان کی تباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ صبح ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے!

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آپسچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تار تار توڑ برساتے جن میں سے ہر پتھر ترے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔ اور غلاموں سے یہ سزا کچھ دیر نہیں اور عین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو!

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) اگر کسی صفائی پسند انسان کے گھر میں پیدا ہو جائیں تو وہ پہلی فرصت میں قائل ڈال کر ان کے وجود سے اپنے گھر کو پاک کر دیتا ہے۔ پھر عیلا خدا اپنی زمین پر ان گندے کیڑوں کے اجتماع کو کب تک گوارا کر سکتا تھا۔ (حاشیہ صفحہ ۷۴) اسے مطلب یہ ہے کہ اب تم لوگوں کو بس یہ فکر ہونی چاہیے کہ کسی طرح ہلدی سے جلدی اس علاقے سے نکل جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیچھے شور اور دھماکوں کی آوازیں سنکر راستے میں ٹھہرا اور جو رقبہ عذاب کے لیے نامزد کیا جا چکا ہے اس میں عذاب کا وقت آجانے کے بعد بھی تم میں سے کوئی رکارہ جائے۔

۲۵ یہ تیسرا عبرتناک واقعہ ہے جو اس سورہ میں لوگوں کو یہ سبق دینے کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ تم کو کسی بزرگ کی رشتہ داری اور کسی بزرگ کی سفارش اپنے گناہوں کی پاداش سے نہیں بچا سکتی۔ ۲۶ فابنا یہ عذاب ایک سخت زلزلے اور آتش فشاںی انفجار کی شکل میں آیا تھا۔ زلزلے نے ان کی بستیوں کو تل پٹ کیا اور آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ان کے اوپر زور کا پتھراؤ ہوا۔ پکی ہوئی مٹی کے پتھروں سے مراد شاید وہ تھمر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آج تک بحر لوط کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔

۲۷ یعنی ہر رقبہ پتھر خدا کی طرف سے نامزد کیا ہوا تھا کہ اسے تباہ کاری کا کب کام کرنا چاہیے۔ یعنی آج جو لوگ ظلم کی اس روش پر مبنی رہے ہیں وہ بھی اس عذاب کو اپنے سے دور نہ سمجھیں۔ یہ عذاب اگر قوم لوط پر آسکتا تھا تو ان پر بھی آسکتا ہے۔ خدا کو نہ لوط کی قوم عاجز کر سکتی تھی، نہ یہ کر سکتے ہیں۔ ۲۸ سورہ اعراف رکوع ۱۱ کے حواشی پیش نظر رہیں۔

اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیرے گا۔ اور اسے برادران قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور ہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگران کار نہیں ہوں۔“

انہوں نے جواب دیا ”اے شعیب! کیا تیری ناز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں

۱۷ سورہ اعراف کے حواشی میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ اہل دین تجارت پیشہ لوگ تھے، اور ان کے اندر کاروباری بددیانتی کا مرض عام ہو گیا تھا۔ نیز ہم یہ بھی پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یہ کوئی ایسی قوم نہ تھی جس کو پہلے پہل حضرت شعیب نے دین اسلام سے روشناس کرایا ہو، بلکہ دراصل یہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم تھی۔ حضرت ابراہیم کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے اسلام ان کا آبائی دین تھا اور ان کو خود اپنے مومن ہونے کا دعویٰ بھی تھا، لیکن ان کے اندر شرک کی راہ پالی تھی اور یہ اسی قسم کی مشرکانہ گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے جو بالعموم اخلاقی و عملی انحطاط کے دور میں مسلمان قوموں کے زب پھیل جایا کرتی ہیں۔ یہی دو خرابیاں تھیں جن کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب نے آواز اٹھائی تھی۔

۱۸ یعنی میرا کوئی زود تم پر نہیں ہے۔ میں تو بس ایک خیر خواہ ناصح ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ تمہیں سمجھا دوں۔ اگے تمہیں اختیار ہے، چاہے مانو، چاہے نہ مانو۔ سوال میری باز پرس سے ڈرنے یا نہ ڈرنے کا نہیں ہے۔ اصل چیز خدا کی باز پرس ہے جس کا اگر تمہیں کچھ خوف ہو تو اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔

۱۹ یہ دراصل ایک طعن آمیز فقرہ ہے جس کی روح آج بھی آپ ہر اس سوسائٹی میں موجود پائیں گے جو خدا سے غافل اور فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہو۔ چونکہ ناز دینداری کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایاں منظر ہے، اور دینداری کو فاسق و فاجر لوگ ایک خطرناک، بلکہ سب سے زیادہ خطرناک مرض سمجھتے ہیں، اس لیے ناز ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں عبادت کے بجائے علامت مرض شمار ہوتی ہے اور کسی شخص کو اپنے درمیان ناز پڑھتے دیکھ کر انہیں فوراً یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس شخص پر مرض دینداری کا حملہ ہو گیا ہے۔ پھر یہ لوگ دینداری کی اس خاصیت کو بھی جانتے ہیں کہ یہ چیز جس شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے وہ صرف اپنے حسن عمل پر قانع نہیں رہتا بلکہ دوسروں کو بھی

کو چھوڑ دیں جن کی پریشانی ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ میں تو یہی تو ایک عالمی طرف اور راستہ آزادی رہ گیا ہے!

(بقیہ ماحشیہ صفحہ ۲۵) درست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بے دینی و بد اخلاقی پر تنقید کیے بغیر اس سے ہم نہیں جاتا، اس کے ناز پران کا اضطراب صرف اسی حیثیت سے نہیں ہوتا کہ ان کے ایک بھائی پر دینداری کا دورہ پڑ گیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ کھٹکا بھی لگ جاتا ہے کہ اب غریب اخلاق و دیانت کا وعظ شروع ہونے والا ہے اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں کڑے سٹانے کا ایک لامتناہی سلسلہ چھڑا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی سوسائٹی میں ناز بے بڑھ کر طعن و تشنیع کی ہفت بنتی ہے، اور اگر کہیں نازی آدمی ٹھیک ٹھیک انہی اندیشوں کے مطابق، جو اس کی ناز سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے، برائیوں پر تنقید اور بھلائیوں پر دعوت بھی شروع کرے، تب تو ناز اس طرح کو سی جاتی ہے گویا یہ ساری بلا اسی چیز کی لائی ہوئی ہے۔

(ماحشیہ صفحہ ۲۵) یہ اسلام کے مقابلہ میں جاہلیت کے نظریہ کی پوری ترجمانی ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے کیونکہ کسی دوسرے طریقے کے لیے عقل، علم اور کتب آسمانی میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدن، معاشرت، سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے، اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کا ہے اور انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختار انداز تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس جاہلیت کا نقطہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ بھی چلا آ رہا ہو انسان کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی پیروی کے لیے اس دلیل کے سوا کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ دین و مذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ سے ہے اور ہمارے زندگی کے عام دنیوی مسائل تو ان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔

اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں ہے بلکہ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو بھی اس تقسیم پر ویسا ہی اصرار تھا جیسا آج یورپ اور اس کے شاگردوں کو ہے۔ یہ فی الحقیقت کوئی نئی روشنی نہیں ہے جو انسان کو (باقی صفحہ ۲۶ پر)

شعب نے کہا ”بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں)۔ اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا حق از تکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا پس چلے۔ اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) آج ذہنی ارتقاء کی بدولت نصیب ہو گئی ہو، بلکہ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزار ہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے پائی جاتی تھی۔ اور اس کے خلاف اسلام کی کشمکش بھی آج کی نہیں ہے، بہت قدیم ہے۔ (حواشی صفحہ ۲۸) ”رِزْقُكَ“ کا لفظ یہاں دوسرے معنی دے رہا ہے۔ اس کے ایک معنی تو ظلم حق کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنتا گیا ہو۔ اور دوسرے معنی وہی ہیں جو بالعموم اس لفظ سے مجھے جاتے ہیں، یعنی وہ ذرائع جو زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ آیت اسی مضمون کو ادا کر رہی ہے جو اس سورے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نوح علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا چلا آیا ہے کہ اگر نبوت سے پہلے بھی میں اپنے رب کی طرف سے حق کی کھلی کھلی شہادت اپنے نفس میں اور کائنات کے اشار میں پا رہا تھا، اور اس کے بعد میرے رب نے براہ راست ظلم حق بھی مجھے دیدیا، تو اب میرے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ جان بوجھ کر ان گمراہیوں اور بد اخلاقیوں میں تمہارا ساتھ دوں جن میں تم مبتلا ہو۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ آیت اُس طے کا جواب ہے جو ان لوگوں نے حضرت شعب کو دیا تھا کہ ”بس تم ہی تو ایک عالمی طرف اور راست باز آدمی رہ گئے ہو“۔ اس تند و ترش حملے کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بھائیو! اگر میرے رب نے مجھے حق شناس بصیرت بھی دی ہو اور رزق حلال بھی عطا کیا ہو تو آخر تمہارے علموں سے یہ فضل غیر فضل کیسے ہو جائے گا، اور آخر میرے لیے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ جب خدا نے مجھ پر یہ فضل کیا ہے تو میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں کو حق اور حلال کہہ کر اس کی ناشکری کروں۔

”مے“ یعنی میری سچائی کا تم اسی بات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ جو کچھ دوسروں سے کہتا ہوں اسی پر خود عمل کرتا ہوں اگر میں تم کو غیر اللہ کے آستانوں سے روکتا اور خود کسی آستانے کا مجاہد بن بیٹھا ہوتا تو بلاشبہ تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی پیری چمکانے کے لیے دوسری دوکانوں کی ساکھ بگاڑنا چاہتا ہے۔ اگر میں تم کو حرام کے مال کھانے سے منع کرتا اور خود اپنے کاروبار میں بے ایمانیاں کر رہا ہوتا تو ضرور تم یہ شبہ کر سکتے تھے کہ میں اپنی ساکھ جاننے کے لیے ایمان داری

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ اور اسے براہِ امان قوم! میرے خلاف تمھاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے گا آخر کار تم پر بھی وہی عذاب اگر رہے جو نوح یا ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا، اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) کا ڈھول پیٹ رہا ہوں۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ میں خود ان برائیوں سے بچتا ہوں جن سے تم کو منع کرتا ہوں، میری اپنی زندگی ان دھبوں سے پاک ہے جن سے تمہیں پاک دیکھنا چاہتا ہوں اور میں نے اپنے لیے بھی اسی طریقہ کو پسند کیا ہے جس کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ یہ چیز اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ میں اپنی اس دعوت میں صادق ہوں۔

(حاشیہ صفحہ ۲۸) ۱۷ یعنی قوم لوط کا واقعہ تو ابھی تازہ ہی ہے اور تمھارے قریب ہی کے علاقے میں پیش آچکا ہے۔ غالباً اس وقت قوم لوط کی تباہی پر تین چار سو برس سے زیادہ نہ گزرے تھے۔ اور ویسے بھی قوم شعیب کا ملک اس علاقے سے بالکل متصل واقع تھا جہاں قوم لوط رہتی تھی۔

۱۸ یعنی اللہ تعالیٰ سنگ دل اور بے رحم نہیں ہے اور نہ اس کو اپنی مخلوقات سے کوئی دشمنی ہے کہ خواہ مخواہ سزا دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر وہ خوش ہو۔ تم لوگ اپنی سرکشیوں میں جب حد سے گذر جاتے ہو اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز نہ رہی نہیں آتے تب وہ بادلِ ناخوارستہ تمہیں سزا دیتا ہے۔ وہ نہ اس کا حال تو یہ ہے کہ تم خواہ کتنے ہی تصور کر چکے ہو جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اس کی طرف پلٹو گے اس کے درگاہِ رحمت کو اپنے لیے وسیع پائے گئے کیونکہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے وہ بے پایاں محبت رکھتا ہے۔

اس مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نہایت لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال تو اپنے یہودی ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھیرا گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو، اور عین اس حالت میں یکایک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

انہوں نے جواب دیا "اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے، تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے، تیرا اپنا بل بوتہ تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی، اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ دوسری مثال اس سے بھی زیادہ موثر ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ایک وفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹا لیا تھا اور وہ مانتا ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسے چھاتی سے چٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک تو اسے بچانے میں کوئی کسر ٹھانہ رکھے گی۔ فرمایا اللہ ارحم بعبادہ من ہذا بولداھا۔ اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔

(حواشی صفحہ ۲۸) بلکہ یہ سمجھ میں نہ آنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ حضرت شعیب کسی غیر زبان میں کلام کرتے تھے یا ان کی باتیں بہت منطقی اور پیچیدہ ہوتی تھیں۔ باتیں تو بے صاف اور سیدھی ہی تھیں اور اسی زبان میں کی جاتی تھیں جو یہ لوگ بولتے تھے، لیکن ان کے ذہن کا سانچا اس قدر ٹیڑھا ہو چکا تھا کہ حضرت شعیب کی سیدھی باتیں کسی طرح اس میں نہ اتر سکتی تھیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ جو لوگ تعصبات اور خواہش نفس کی بندگی میں شدت کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں اور کسی خاص طرز خیال پر جام ہو چکے ہوتے ہیں، وہ اول تو کوئی ایسی بات سن ہی نہیں سکتے جو ان کے خیالات سے مختلف ہو، اور اگر سن بھی لیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس دنیا کی باتیں کی جا رہی ہیں۔

لہٰذا یہ بات پیش نظر ہے کہ بعینہ یہی صورت حال ان آیات کے نزول کے وقت مکہ میں درپیش تھی۔ اس وقت قریش کے لوگ بھی اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے اور جانتے تھے کہ آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیں لیکن صرف اس وجہ سے آپ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتے تھے کہ بنی ہاشم آپ کی پشت پر تھے۔ پس حضرت شعیب اور ان کی قوم کا یہ قصہ ٹھیک ٹھیک قریش اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ پر چسپاں کرتے ہوئے بیان کیا (ذاتی صفحہ ۳۰ پر)

شعیب نے کہا: بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نیرادری کا تو خوف کیا اور اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا، جلد ہی تمہیں معلوم ہوگا گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔ آخر کار جیب ہائے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس حرکت پڑی کے پڑے گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے ہی نہ تھے۔

سنو! مرن والے بھی دور پھینک دیے گئے جس طرح تو دھینکے گئے تھے۔

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گا، کیسی بدتر جاسے درود (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) جا رہا ہے اور آگے حضرت شعیب کا جو انتہائی سبق آموز جواب نقل کیا گیا ہے اس کے اندر یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ اسے قریش کے لوگو! تم کو بھی محمد کی طرف سے یہی جواب ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۲۹) لے یعنی ایسی صریح علامات کے ساتھ جو ان کے مامورین اللہ ہونے کا ثبوت تھیں

لے اس آیت سے اور قرآن مجید کی بعض دوسری تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے رہنا ہوتے ہیں وہی قیامت کے روز بھی اس کے رہنا ہوں گے۔ اگر وہ دنیا میں نیکی اور سچائی اور حق کی طرف رہنا کرتے ہیں تو جن لوگوں نے یہاں ان کی پیروی کی ہے وہ قیامت کے روز بھی انہی کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے اور ان کی پیشوائی میں جنت کی طرف جائیں گے۔ اور اگر وہ دنیا میں کسی ضلالت، کسی بد اخلاقی یا کسی ایسی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں جو دین حق کی راہ نہیں ہے، تو جو لوگ یہاں ان کے پیچھے چل رہے ہیں وہ وہاں بھی ان کے پیچھے ہوں گے اور انہی کی سرکردگی میں جہنم کا رخ کریں گے۔ اسی معنوں کی ترجمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں پائی جاتی ہے کہ امرؤ القیس حامل نواء شعر ۱۶ الجاہلیہ الی الناس، یعنی قیامت کے روز جاہلیت کی شاہی کا جھنڈا امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور عوب جاہلیت کے تمام شعراء اسی کی پیشوائی میں دوزخ کی راہ لیں گے۔ اب یہ منظر ہر شخص کا اپنا (باقی صفحہ ۳۱ پر)

ہے یہ جس پر کوئی پہنچے! اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی، کیسا برا  
ہے یہ جو کسی کو ملے!

یہ چند بستیوں کی سرگذشت ہے جو ہم نہیں سن رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں  
اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، انہوں نے آپ ہی اپنے اور پر تم ڈھایا۔ اور جب اللہ  
کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور انہوں نے  
ہلاکت و بربادی کے سوا انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو کھڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اسکی پکڑ بڑی سخت اور دھڑا  
ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) تخیل اس کی آنکھوں کے سامنے کھینچ سکتا ہے کہ یہ دونوں قسم کے جلوس کس شان سے اپنی  
منزل مقصود کی طرف جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن لیڈروں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کیا اور خلاف حق راہوں  
پر چلایا ہے ان کے پیرو جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ یہ ظالم ہم کو کس خوفناک انجام کی طرف کھینچ لائے  
ہیں تو وہ اپنی ساری نصیبتوں کا ذمہ دار انہی کو سمجھیں گے اور ان کا جلوس اس شان سے دوزخ کی راہ پر  
رواں ہو گا کہ آگے آگے وہ ہوں گے اور پیچھے پیچھے ان کے پیروں کا ہجوم ان کو گایاں دیتا ہوا اور ان پر  
لعنتوں کی بوچھاڑ کرتا ہوا جا رہا ہو گا۔ بخلاف اس کے جن لوگوں کی رہنمائی نے لوگوں کو جنت نعیم کا سستی بنایا  
ہو گا ان کے پیرو پناہ انجام خیر دیکھ کر اپنے لیڈروں کو دعائیں دیتے ہوئے اور ان پر مدح و تحسین کے پھول  
برساتے ہوئے چلیں گے۔

(حاشیہ صفحہ ۲۱) لے یعنی تاریخ کے ان واقعات میں ایک ایسی نشانی ہے جس پر اگر انسان غور کرے تو اسے  
یقین آجائے گا کہ عذاب آخرت ضرور پیش آنے والا ہے اور اس کے متعلق پیغمبروں کی دی ہوئی خبر سچی ہے  
نیز اسی نشانی سے وہ یہ بھی معلوم کر سکتا ہے کہ عذاب آخرت کیسا سخت ہو گا اور یہ علم اس کے دل میں خوف پیدا  
کر کے اسے سیدھا کمر دے گا۔ اب یہی بات کہ تاریخ میں وہ کیا چیز ہے جو آخرت اور اس کے عذاب کی علامت  
کسی جاسکتی ہے، تو یہ ہر اس شخص کی سمجھ میں آسانی آسکتی ہے جو تاریخ کو محض واقعات کا مجموعہ ہی نہ سمجھتا ہو  
(باقی صفحہ ۳۲ پر)

دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور وہ دن دیکھنے کا ہوگا۔ ہم اس کے لانے میں کچھ بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں، بس ایک گنی چنی مدت اس کے لیے مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا تو کسی کو بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸) بلکہ ان واقعات کی منطق پر بھی کچھ غور کرتا ہوں اور ان سے نتائج بھی اخذ کرنے کا عادی ہوں۔ ہزار ہا برس کی انسانی تاریخ میں قوموں اور جماعتوں کا اٹھنا اور گرنا جس تسلسل اور باہنا بطنگی کے ساتھ رونما ہوتا رہا ہے اور پھر اس کرنے اور اٹھنے میں جس خرچ صریح کچھ اخلاقی اسباب کار فرما رہے ہیں، اور کرنے والی قومیں جیسی جیسی عبرت انگیز صورتوں سے گری ہیں یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ کر رہا ہے کہ انسان اس کائنات میں ایک ایسی حکومت کا محکوم ہے جو محض اندر سے جمعیاتی قوانین کی بنا پر فرمانروائی نہیں کر رہی ہے بلکہ اپنا ایک معقول اخلاقی قانون رکھتی ہے جس کے مطابق وہ اخلاق کی ایک خاص حد سے اوپر رہنے والوں کو جزا دیتی ہے، اس سے نیچے اترنے والوں کو کچھ دیکھت ڈھیل دیتی رہتی ہے اور جب وہ اس سے بہت زیادہ نیچے چلے جاتے ہیں تو پھر انھیں گرا کر ایسا پھینکتی ہے کہ وہ ایک داستان عبرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان واقعات کا ہمیشہ ایک ترتیب کے ساتھ رونما ہوتے رہنا اس امر میں شبہ کرنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں چھوڑتا کہ جزا و مکافات اس سلطنت کائنات کا ایک مستقل قانون ہے۔ پھر جو عذاب مختلف قوموں پر آئے ہیں ان پر مزید غور کرنے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ از روئے انصاف قانون جزا و مکافات کے جو اخلاقی تقاضے ہیں وہ ایک حد تک تو ان عذابوں سے ضرور پورے ہوئے ہیں مگر بہت بڑی حد تک ابھی تشنہ ہیں۔ کیونکہ دنیا میں جو عذاب آیا اس نے صرف اُس نسل کو کپڑا جو عذاب کے وقت موجود تھی، وہیں اس نسل جو شرارتوں کے بیج بو کر اور ظلم و بدکاری کی فصلیں تیار کر کے کٹائی سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں اور جن کے کرتوتوں کا خیارہ بعد کی نسلوں کو بھگتنا پڑا، وہ تو گویا قانون مکافات کے عمل سے صاف ہی بچ نکلے ہیں۔ اب اگر ہم تاریخ کے مطالعہ سے سلطنت کائنات کے مزاج کو ٹھیک ٹھیک سمجھ چکے ہیں تو ہمارا یہ مطالعہ ہی اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ عقل اور انصاف کی رو سے قانون سکافات کے جو اخلاقی تقاضے ابھی تشنہ ہیں، ان کو پورا کرنے کے لیے یہ عادل سلطنت یقیناً پھر ایک دوسرا عالم برپا کرے گی اور وہاں تمام غالوں کو ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ بدلہ دنیا کے ان عذابوں سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔

کرنے کی مجال نہ ہوگی، اللہ کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔ پھر کچھ لوگ اس روز بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے) وہ ہینٹے اور پھنکارے رہیں گے اور اس حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ اللہ یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے، بے شک تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے، تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک

اسے میسر ہے و قوت لوگ اپنی جگہ اس بھروسے میں ہیں کہ فلاں حضرت ہماری سفارش کر کے ہمیں بچائیں گے۔ فلاں بزرگ اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور اپنے ایک ایک سوسل کو بخشوائے بغیر نہ مانیں گے، فلاں صاحبِ اصرار کے چیتے ہیں جنت کے راستے میں پھل بیٹھیں گے اور اپنے دامن گرفتوں کی بخشش کا پروانہ لے کر ہی ٹھیں گے۔ حالانکہ اڑنا اور چلنا کیسا، اُس پر جلالِ عدالت میں تو کسی بڑے سے بڑے انسان اور کسی معزز سے معزز فرشتے کو بھی مجالِ دم زدن تک نہ ہوگی اور اگر کوئی کچھ کہہ بھی سکے گا تو اس وقت جب کہ حکمِ الحاکمین خود اسے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیدے۔ پس جو لوگ یہ سمجھتے ہوئے غیر اللہ کے آستانوں پر نذریں اور نیازیں چڑھا رہے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں بڑا رسوخ و اثر رکھتے ہیں، اور ان کی سفارش کے بھروسے پر اپنے نامہ اعمال سیاہ کیے جا رہے ہیں۔ ان کو وہاں سخت ایو سی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تھے ان الفاظ سے یا تو عالمِ آخرت کے زمین و آسمان مراد ہیں، یا پھر محض محاورے کے طور پر ان کو دوام اور ہمیشگی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمین و آسمان تو مرد نہیں ہو سکے کیونکہ قرآن کے بیان کی رو سے یہ قیامت کے روز بدل ڈالے جائیں گے اور یہاں جن واقعات کا ذکر ہو رہا ہے وہ قیامت کے بعد پیش آنے والے ہیں۔

کہ مینی کوئی اوجھلقت تو ایسی ہے نہیں جو ان لوگوں کو اس دائمی عذاب سے بچا سکے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود کسی کے انجام کو بدل چاہے یا کسی کو ہمیشگی کا عذاب دینے کے بجائے ایک مدت تک عذاب دے کر معاف کر دینے کا فیصلہ فرمائے تو اسے ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے، کیونکہ اپنے قانون کا وہ خود ہی واضع ہے، کوئی بالا تر قانون ایسا نہیں ہے جو اس کے اختیارات کو محدود کرتا ہو۔

زمین و آسمان قائم ہیں۔ اَللّٰہُ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پس اسے نبی! تو ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہ جن کی یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ یہ تو (بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے) اسی طرح پوچھا پاٹ کیے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے۔ اور ہم ان کا حصہ انھیں بھر پور دیں گے نیز اس کے کہ اس میں کچھ کاٹ کسر ہو؟

ہم اس سے پہلے سوئی کو بھی کتاب دیے چکے ہیں اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا جس طرح آج اس کتاب کے بارے میں کیا جارہا ہے جو تعین کی گئی تھی اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی ملے نہ کہ یہ گئی ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی

لے یعنی ان کا جنت میں ٹھیکہ نا کسی ایسے بالاتر قانون پر مبنی نہیں ہے جس نے اللہ کو ایسا کرنے پر مجبور کر رکھا ہو، بلکہ یہ سراسر اللہ کی عنایت چھوٹی گروہ ان کو وہاں رکھے گا۔ اور اگر وہ ان کی قسمت بھی بدلتا چاہے تو اسے بدلنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

لے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں تھے، بلکہ دراصل یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے عامۃ الناس کو سنائی جا رہی ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی مرد معقول کو اس شک میں نہ رہنا چاہیے کہ یہ لوگ جو ان معبودوں کی پرستش کرنے اور ان سے دعائیں مانگنے میں لگے ہوئے ہیں تو آخر کچھ ترانوں نے دیکھا ہو گا جس کی وجہ سے یہ ان سے نفع کی امیدیں رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پرستش اور نذرانے اور نیازیں اور دعائیں کسی علم کسی تجربہ اور کسی حقیقی مشاہدے کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ نرمی از وحی تقلید کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ انہی آیتانے پچھلی توہین کے ان ہی توہینوں کو ایسی ان کی کرامتیں ان میں بھی شوہنیں، مگر جب خدا کا مذاہب آیا تو وہ تباہ ہو گئیں اور یہ آیتانے یوہی دھڑلے کے دھڑلے سے یہی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ آج اس قرآن کے بارے میں مختلف لوگ مختلف قسم کی چیزیں گویا کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے جب سوئی کو کتاب دی گئی تھی تو اس کے بارے میں بھی ایسی ہی مختلف رائے زبانی کی گئی تھیں، لہذا اسے محکمہ یہ دیکھ کر بد دل اور شکستہ خاطر نہ ہو کہ ایسی سیدھی سیدھی اور صاف صاف باتیں قرآن میں پیش کی جا رہی ہیں اور پھر لوگ ان کو قبول نہیں کرتے۔ لے یہ فقرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو مطمئن کرنے اور صبر دلانے کے لیے فرمایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کے لیے بے چین نہ ہو کہ جو لوگ اس قرآن کے بارے میں اختلافات کر رہے ہیں ان کا فیصلہ جلد سے جکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ملے کر چکا ہے کہ فیصلہ وقت مقرر سے پہلے نہ کیا جائے گا اور یہ کہ دنیا کے لوگ فیصلہ چاہتے ہیں جو جلدی بازی کرتے ہیں، اللہ فیصلہ کر دینے میں وہ جلدی بازی نہ کرے گا۔

طرف سے شک اور غلبان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہی واقعہ ہے کہ تیرا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ ان کی سب حرکتوں سے باخبر ہے۔ پس اسے عفو! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو، جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی پیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔ اور دیکھو، نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر، حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، ایسے ایک یا دو لوگ ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں۔ اور صبر کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا، ورنہ ظالم لوگ تو انہی مڑوں کے پیچھے پڑے ہیں جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے

لے دن کے دونوں سروں پر سے مراد صبح اور مغرب ہے، اور کچھ رات گزرنے پر سے مراد عشا کا وقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ارشاد اُس زمانے کا ہے جب نماز کے لیے پانچ وقت مقرر نہیں کیے گئے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کے دوسرے احکام کی طرح نماز کا ضابطہ قائم کرنے میں بھی تدریج سے کام لیا گیا تھا۔

لے مینی جو برائیاں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور جو برائیاں تمہارے ساتھ اس دعوت حق کی دشمنی میں کی جا رہی ہیں، ان سب کو دفع کرنے کا اسلی طریقہ یہ ہے کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ نیک بنو اور اپنی نیکی سے اس بدی کو شکست دو۔ اور تم کو نیک بنانے کا بہترین ذریعہ یہ نماز ہے جو تم میں وہ اوصاف پیدا کرے گی جن سے تم بدی کے اس متکرم طوفان کا نہ صرف مقابلہ کر سکو گے بلکہ اسے دفع کر کے دنیا میں عطا خیر و صلاح کا نظام بھی قائم کر سکو گے۔

باشند اصلاح کرنے والے ہوں۔ بے شک تیرا ب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور ان بے ماہ رویوں سے صرف وہی

لے ان آیات میں نہایت سبق آموز طریقے سے ان قوموں کی تباہی کے اصل سبب پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کی تاریخ پچھلے چھ رکھوں میں بیان ہوئی ہے۔ اس تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ صرف انہی قوموں کو نہیں، بلکہ پچھلی انسانی تاریخ میں جتنی قومیں بھی تباہ ہوئی ہیں ان سب کو جس چیز نے گرا یا وہ یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا تو وہ خوشحالی کے نشے میں مست ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے لگیں اور ان کا اجتماعی خیر اس دور میں گم ہو گیا کہ یا تو ان کے اندر ایسے نیک لوگ باقی رہے ہی نہیں جو ان کو برائیوں سے روکتے، یا اگر کچھ لوگ ایسے نکلے بھی تو وہ اتنے کم تھے اور ان کی آواز اتنی کمزور تھی کہ ان کے روکنے سے فساد نہ رک سکا۔ یہی چیز ہے جس کی بدولت آخر کار یہ قومیں اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہوئیں، اور نہ اللہ کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ وہ تو بھلے کام کر رہے ہوں اور اللہ ان کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔ اس ارشاد سے یہاں تین باتیں ذہن نشین کرنی مقصود ہیں:

ایک یہ کہ ہر اجتماعی نظام میں ایسے نیک لوگوں کا موجود رہنا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دینے والے اور شر سے روکنے والے ہوں۔ اس لیے کہ خیر ہی وہ چیز ہے جو اصل میں اللہ کو مطلوب ہے، اور لوگوں کے شرور کو اگر اللہ برداشت کرتا بھی ہے تو اس خیر کی خاطر کرتا ہے جو ان کے اندر موجود ہو اور اُسی وقت تک کرتا ہے جب تک ان کے اندر خیر کا کچھ امکان باقی رہے۔ مگر جب کوئی انسانی گروہ اہل خیر سے خالی ہو جائے اور اس میں صرف شریر لوگ ہی باقی رہ جائیں، یا اہل خیر موجود ہوں بھی تو کوئی ان کی سن کر نہ دے اور پوری قوم کی قوم اخلاقی فساد کی راہ پر ہر طبعی چلی جائے، تو پھر خدا کا عذاب اس کے سر پر اس طرح سٹیلانے لگتا ہے جیسے پورے دنوں کی حاملہ کو کچھ نہیں کہہ سکتے کب اس کا وضع حمل ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ جو قوم اپنے درمیان سب کچھ برداشت کرتی ہو مگر صرف انہی چنے چنے لوگوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو جو اسے برائیوں سے روکتے اور بھلائیوں کی دعوت دیتے ہوں تو سمجھ لو کہ اس کے برے دن قریب آگئے ہیں، کیونکہ اب وہ خود ہی اپنی جان کی دشمن ہو گئی ہے، اسے وہ سب چیزیں محبوب ہیں جو اس کی ہلاکت (باقی صفحہ ۳۰ پر)

لوگ نہیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادی انتخاب و اختیار) کے لیے ہی تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہو گئی جو اس نے کسی نخلی کر میں جنم کو جن اور انسان ہر بھروسہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) کی موجب ہیں اور صرف وہی ایک چیز گوارا نہیں ہے جو اس کی زندگی کی خاصیت ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک قوم کے متلائے عذاب ہونے یا نہ ہونے کا آخری فیصلہ جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دعوت خیر پر لبیک کہنے والے عناصر کس حد تک موجود ہیں۔ اگر اس کے اندر ایسے افراد اتنی تعداد میں نخل آئیں جو فساد کو مٹانے اور نظام صالح کو قائم کرنے کے لیے کافی ہو تو اس پر عذاب عام نہیں بھیجا جاتا بلکہ ان صالح عناصر کو اصلاح حال کا موقع دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ ہم سنی و جہد کے باوجود اس میں سے اتنے آدمی نہیں نکلتے جو اصلاح کے لیے کافی ہو سکیں اور وہ قوم اپنی گود سے چند ہیرے پھینک دینے کے بعد اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیتی ہے کہ اب اس کے پاس کوئی ہی کوئی باقی رہ گیا ہے تو پھر کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی کہ وہ بھی سدا دی جاتی ہے جو ان کو انہوں کو پھونک کر رکھ دے۔

(حاشیہ صفحہ ۳۱) یہ اس شبہ کا جواب ہے جو بالعموم ایسے مواقع پر تقدیر کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ اوپر اقوام گزشتہ کی تباہی کا جو سبب بیان کیا گیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ ان میں اہل خیر کا موجود نہ رہنا یا بہت کم پایا جانا بھی تو آخر اللہ کی مشیت ہی سے تھا۔ پھر اس کا الزام ان قوموں پر کیوں رکھا جائے؟ کیوں نہ لائے ان کے اندر بہت سے اہل خیر پیدا کر دیے؟ اس کے جواب میں یہ حقیقت حال صاف صاف بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ کی مشیت انسان کے بارے میں یہ ہے ہی نہیں کہ حیوانات اور نباتات اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کی طرح اس کو بھی جتنی طور پر ایک لگے بندھے رہتے کا پابند بنا دیا جائے جس سے ہٹ کر وہ چل ہی نہ سکے۔ اگر یہ اس کی مشیت ہوتی تو پھر دعوت ایمان، بشت انبیاء، اور ستریل کتب کی ضرورت ہی کیا تھی، سارے انسان مسلم و مومن ہی پیدا ہوتے اور کفر و عصیان کا سرے سے کوئی امکان ہی نہ ہوتا۔ لیکن اللہ نے انسان کے بارے میں جو مشیت فرمائی ہے وہ تو ہے یہ کہ اس کو انتخاب و اختیار کی آزادی بخشی جائے۔ اسے اپنی پسند کے مطابق مختلف راہوں پر چلنے کی قدرت دی جائے، اس کے سامنے جنت اور دوزخ دونوں کی راہیں کھول دی جائیں اور پھر ہر انسان اور ہر انسانی گروہ کو موقع دیا جائے کہ وہ ان میں سے جس راہ کو بھی اپنے لیے پسند کرے اس پر چل سکے تاکہ ہر ایک جو کچھ بھی پائے اپنی سہی و کسب کے نتیجے میں پائے۔ پس جب وہ اسکیم جس کے تحت انسان پیدا کیا گیا ہے، آزادی انتخاب اور اختیاری کفر و ایمان کے اصول پر مبنی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کوئی قوم خود تو بڑھنا چاہے

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

اور اسے محمد! یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر ہم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے، تو ان سے کہہ دو کہ تم اپنے طریقے پر کام کرتے رہو اور ہم اپنے طریقے پر کیے جاتے ہیں، انجام کار کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور سارا معاملہ اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس اے نبی! تو اس کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ کر جو تجھ کو تم لوگ کر رہے ہو تیرا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔

۴۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) بدی کی راہ پر اور اللہ ذر بستی اس کو خیر کے راستے پر موڑ دے، یا کوئی قوم خود اپنے انتخاب سے تو انسان سازی کے وہ کارخانے بنائے جو ایک ایک بڑھ کر بدکار اور ظالم اور فاسق آدمی ڈھال ڈھال کر نکالیں، اور اللہ اپنی براہ راست مداخلت سے اس کو وہ پیدائشی نیک انسان مہیا کر دے جو اس کے گڑھے ہوئے سانچوں کو ٹھیک کر دیں۔ اس قسم کی مداخلت خدا کے دستور میں نہیں ہے۔ نیک ہوں یا بد، دونوں قسم کے آدمی ہر قوم کو خود ہی مہیا کرنے ہوں گے۔ جو قوم بحیثیت مجموعی بدی کی راہ کو پسند کرے گی، جس میں سے کوئی مستبد، گروہ ایسا نہ اٹھے گا جو نیکی کا جھنڈا بلند کرے، اور جس نے اپنے اجتماعی نظام میں اس امر کی گنجائش ہی نہ چھوڑی ہوگی کہ اصلاح کی کوششیں اس کے اندر پھل پھول سکیں، خدا کو کیا پڑی ہے کہ اس کو بزور نیک بنائے۔ وہ تو اس کو اسی انجام کی طرف دھکیل دے گا جو اس نے خود اپنے لیے انتخاب کیا ہے۔ البتہ خدا کی رحمت کی سستی اگر کوئی قوم ہو سکتی ہے تو صرف وہ جس میں بہت سے افراد ایسے نکلیں جو خود دعوت خیر کو لبیک کہنے والے ہوں اور جس نے اپنے اجتماعی نظام میں یہ صلاحیت باقی رہنے دی ہو کہ اصلاح کی کوشش کرنے والے اس کے اندر کام کر سکیں۔

(حاشیہ صفحہ ۳۸) اللہ یعنی کفر و اسلام کی اس کشمکش کے دونوں فریق جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔ اللہ کی سلطنت کوئی اندھیر نگری چوٹ راہ کی مصداق نہیں ہے کہ اس میں خواہ کچھ ہی ہوتا رہے شہ بے خبر کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو۔ یہاں حکمت اور بردباری کی بنا پر دیر تو ضرور ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ جو لوگ اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ انکی محنتیں ضائع نہ ہوگی اور وہ لوگ بھی جو فساد کرنے اور اسے برپا رکھنے میں لگے ہوئے ہیں، جو اصلاح کی سعی کرنے والوں پر ظلم و ستم توڑ رہے ہیں، اور جنہوں نے اپنا سارا زور اس کوشش میں لگا رکھا ہے کہ اصلاح کا یہ کام کسی طرح چل نہ سکے، انہیں بھی خبردار رہنا چاہیے کہ ان کے یہ سارے کمر تو اللہ کے علم میں ہیں اور ان کی پاداش انہیں ضرور بھگتنی پڑے گی۔

# ان اقوام کے مسکن جن کا ذکر سورہ ہود میں آیا ہے

